دوسری قسط

تعلیمات نہج البلاغہ کی روشنی میں عزت و ذلت

از محمد تقی فلسفی

(گزشتہ سے پیوستہ)

متعدد اسباب و عوامل ماحول و حالات کو بدل سکتے ہیں۔ انسان کی انفرادی و اجتماعی زندگی پر اثر انداز ہو سکتے ہیں اور صاحب عزت افراد کو ذلیل و رسوا کر سکتے ہیں اور ذلیلوں کو عزت و عظمت عطا کر سکتے ہیں۔ حضرت علی علیہ السلام نے اپنے خطبات مکتوبات اور مختصر کلمات میں ان اسباب و عوامل کی نشاندہی کی ہے جو نہج البلاغہ میں موجود ہیں اور سردست ان عوامل کی طرف اشارہ کرنا لازمی معلوم ہوتا ہے۔

انقلاب: اسباب و عوامل کے درمیان انقلاب ایک ایسا سبب ہے جو معاشرہ میں بنیادی اثر رکھتا ہے اور نہایت عظیم تبدیلیوں کا حامل ہوتا ہے۔ انقلاب معاشرہ کے حالات کو پوری طرح دگرگوں کر دیتا ہے، سماج میں رائج معیاروں اور اصولوں کو بدل دیتا ہے اور ان کی جگہ نئی قدروں کی ترویج عمل میں آجاتی ہے۔ انقلاب کی وجہ سے ایک گروہ سے وابستہ افراد زوال سے ہمکنار ہو جاتے ہیں اور دوسرے گروہ کے لوگوں کو عروج و سرپرستی مل جاتی ہے۔ بیشمار صاحب عزت افراد ذلیل و رسوا ہو جاتے ہیں اور اکثر ذلیلوں کو عزت و عظمت نصیب ہو جاتی ہے۔ ظالم و گردن کش افراد سرنگوں ہو جاتے ہیں۔ کمزور و پسماندہ و سرکوب شدہ لوگ رفعت و سربلندی حاصل کر لیتے ہیں۔ امام جعفر صادق علیہ السلام انقلاب اور اس کے سماجی اثرات و نتائج کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں: "تمنوالفتنه فیها هلاك الجبابره وطهارة الارض من الفسقه۔"

(مجموعه ورام ۲، ص۔ ۸۷)

یعنی انقلاب کی تمنا کرو اور انقلاب کے بارے میں غور و فکر کرتے رہو اور آرزوئے انقلاب کو پروان چڑھاتے رہو کیونکہ یہ طوفان انقلاب ہی ہے جس میں طاقت و اقتدار کے متوالے ظالم و جابر اور خود سر و مغرور افراد ہلاک ہو جاتے ہیں اور زمین گنہ گاروں اور متجاوزوں کے وجود کے بوجھ سے آزاد ہو جاتی ہے۔

اس حدیث میں لفظ "فتنہ" کو سماجی انقلاب کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔ لغوی اعتبار سے لفظ فتنہ کے کئی معنی ہوتے ہیں اور ان میں سے ایک انقلاب بھی ہے۔

اقرب الموارد میں لفظ فتنہ کے معنی و مفہوم بیان کرتے ہوئے آخری مرحلہ میں کہا گیا ہے: "اختلاف الناس فی الآراء وما یقع بینهم من القتال"

یعنی فتنہ لوگوں کے افکار و نظریات کے درمیان پیدا ہونے والا وہ اختلاف ہے جس کی وجہ سے لڑائی جھگڑا اور قتل و خونریزی ہوتی ہے۔

آج سے چودہ سو سال قبل نبی اکرمؐ کے دور میں اسلام نامی جس مکتبی اور دینی انقلاب کی بنیاد رکھی گئی تھی وہ دنیا کے ان عظیم انقلابوں میں سے ایک ہے جس کو صدیاں گزرنے کے بعد بھی فراموش نہیں کیا جا سکا اور آج بھی دنیا کے ہر گوشہ و کنار میں پھیلے ہوئے کروڑوں لوگ اس انقلاب کو مقدس شمار کرتے ہیں اور اس کی تعلیمات کو پوری دنیائے بشریت کے

لئے سرمایہ نجات و سعادت سمجھتے ہیں۔

درحقیقت اسلامی انقلاب نے سماج کے مادی اور معنوی امور میں گہری تبدیلی و دگرگونی پیدا کردی۔ اس نے عوام کے افکار و عقائد میں تبدیلی پیدا کی' ان کے اعمال و اخلاق کی اصلاح کا کام انجام دیا اور سماج کو عزت بخش قوانین و روایات سے مالامال کر دیا۔ اکثر عزتوں کو ذلت اور ذلتوں کو عزت میں تبدیل کرتے ہوئے نو تشکیل شدہ معیاروں سے انسان کا گہرا رابطہ قائم کر دیا۔

حضرت علی علیہ السلام نے اپنے ایک خطبہ میں رسول گرامی کے انقلاب اور پاکیزہ نفس افراد کے درمیان اس انقلاب عظیم کی مقبولیت کی طرف اشارہ کیا ہے اور اسی خطبہ میں اس انقلاب عظیم کے نتائج کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

"دفن الله به الضغائن واطفأ به النوائر الف به اخوانا وفرق به اقرانا اعزبه الذله واذل به العزه۔" (نہج البلاغہ خطبہ ۹۶) یعنی خداوند عالم نے اسلامی انقلاب کے سایہ میں اور پیغمبر اسلامؐ کے ذریعہ دور جاہلیت کے لوگوں کے بغض و کینہ کو ان کے دلوں کے اندر دفن کر دیا اور ان میں ذرہ برابر کوئی اثر باقی نہ رہ گیا۔ عداوت و دشمنی کے بھڑکتے ہوئے شعلوں کو جو کہ مختلف النوع نقصانات اور کبھی کبھی قتل و خونریزی کا باعث تھے' پوری طرح ٹھنڈا کر دیا۔ دینی رشتوں کے ذریعہ منتشر افراد کو ایک دوسرے کے نزدیک کرتے ہوئے' ایک طرف ان میں الفت و اخوت و برادری قائم کر دی اور دوسری طرف لوگوں کے درمیان موجود جاہلانہ روابط کا خاتمہ کر دیا اور جو لوگ دور جاہلیت میں ایک دوسرے سے بہت قریب تھے انہیں جدا کر دیا۔ خداوند عالم نے اپنے پیغمبرؐ کے ذریعہ ذلت و رسوائی کو عزت و عظمت میں تبدیل کر دیا اور انہیں کے ذریعہ عزت کو ذلت میں بدل دیا۔

دور جاہلیت میں بتوں کا بڑا احترام کیا جاتا تھا اور بت پرستی کرنے والوں کو بھی بڑی عزت حاصل تھی' دور جاہلیت میں لڑکیوں کو زندہ درگور کیا جانا شرف و افتخار کا باعث تھا اور ان کو زندہ رکھنا بہت معیوب خیال کیا جاتا تھا لیکن اسلامی دور میں لڑکیوں کو زندہ دفن کرنا نہایت ظالمانہ عمل بن گیا اور ان کو زندہ رکھنا ایک انسانی اور اسلامی فریضہ بن گیا۔ اسی طرح دور جاہلیت میں لوگوں کے خلاف ظالمانہ روش کو طاقت و عظمت کی علامت تصور کیا جاتا تھا اور سماج میں ظالم طاقتوں کو عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا لیکن اسلامی دور میں انصاف اور قانون کی پیروی عزت و عظمت کا معیار بن گئی اور ظالموں کو ذلت و حقارت کی نظر سے دیکھا جانے لگا اور ظالم و متکبر افراد ذلت و رسوائی کے گڑھے میں گر گئے۔ بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ظہور اسلام کے بعد دور جاہلیت کے ظالم افراد' عظمت و بزرگی کی بلندی سے زوال و پستی کے گڑھے میں لڑھک گئے اور دور جاہلیت کے کمزور و پسماندہ و کچلے ہوئے طبقے کے لوگ ہی ظالمین کی حکومت کے وارث بن گئے۔

صدر اسلام میں بنی امیہ نے ہاشم کے مقابلے میں صف آرائی کی تاکہ پیغمبر اکرم کی ترقی اور اسلام کی تبلیغ و اشاعت کی راہ میں رکاوٹ پیدا کی جاسکے۔ اس سلسلے میں ان لوگوں نے ہر ممکن مکر و فریب سے کام لیا' طرح طرح کی شرمناک سازشوں کا جال پھیلایا لیکن ان کے تمام اسلام دشمن منصوبے نقش بر آب ہو کر رہ گئے اور آخر کار دین خدا کو کامیابی و سربلندی حاصل ہوئی اور اسلام و مسلمانوں کے رہنما و پیشواء نے دشمنوں پر غلبہ و تسلط حاصل کر لیا۔ اور بنی امیہ اپنے جملہ شرمناک غرور و تکبر کے باوجود مغلوب ہوئے۔ اسلامی انقلاب اور الٰہی قوانین نے ان لوگوں کی کاذب و ظالمانہ طاقت کو پوری طرح نابود کر دیا اور وہ لوگ اسلام اور مسلمانوں کے سامنے غیر معمولی ذلت

یعنی انقلاب کی تمنا کرو اور انقلاب کے بارے میں غور و فکر کرتے رہو اور آرزو کو انقلاب کو پروان چڑھاتے رہو کیونکہ یہ طوفان انقلاب ہی ہے جس میں طاقت و اقتدار کے متوالے ظالم و جابر اور خودسر و مغرور افراد ہلاک ہو جاتے ہیں اور زمین گنہ گاروں اور متجاوزوں کے وجود کے بوجھ سے آزاد ہو جاتی ہے۔

ورسوائی کے ساتھ سر جھکانے پر مجبور ہوگئے۔

حضرت علی علیہ السلام نے معاویہ کے نام اپنے مکتوب میں' جو نہج البلاغہ میں موجود ہے' اپنے چھوٹے مگر معنی خیز جملوں میں' بنی امیہ کی شرمناک گذشتہ زندگی کی عکاسی کی ہے اور اس کے بعد اسلام کی فضیلت کا ذکر کرتے ہوئے ان باتوں کی وضاحت بھی کردی ہے جو ظالموں کی ذلت ورسوائی اور مظلوموں کی عزت وعظمت کا باعث ہیں۔ ارشاد فرماتے ہیں:

واما قولك انا بنو عبد مناف فكذالك نحن ولكن ليس امية كهاشم ولا حرب كعبد المطلب ولا ابو سفيان كابي طالب ولا المهاجر كالطليق ولا الصريح كاللصيق ولا المحق كالمبطل ولا المومن كالمدغل ولبئس الخلف خلف يتبع سلفا هوى في نار جهنم وفي ايدينا بعد فضل النبوة التي اذللنا بها العزيز ونعشنا بها الذليل" (نہج البلاغہ مکتوب ۱۷)

یعنی اے (معاویہ) تو نے جو یہ کہا ہے کہ "ہم عبد مناف کی اولاد ہیں تو ہم لوگ بھی تو انہیں کی اولاد ہیں لیکن ہمارے اور تمہارے درمیان بڑا فرق موجود ہے۔ نہ امیہ' ہاشم جیسے ہے اور نہ حرب' عبدالمطلب کی طرح' نہ ابوسفیان مثل ابوطالب ہے اور نہ مہاجر مانند آزاد شدہ کے' نہ صریح النسب مانند نسب الحاق ہے اور نہ سچ بولنے والا جھوٹ بولنے والے کی طرح ہے اور نہ مومن مثل منافق ہے۔ کتنا برا فرزند ہے وہ جو کہ اپنے مردہ اور جہنمی باپ کی پیروی کرتا ہے۔

حضرت علی علیہ السلام نے ان مختصر جملوں میں تاریخ کے ان اہم گوشوں کی طرف اشارہ کیا ہے جن سے بنی ہاشم کا افتخار ظاہر ہوتا ہے اور بنی امیہ کی ذلت ورسوائی کی جھلک بھی دکھائی دیتی ہے۔

اس کے بعد حضرت علی علیہ السلام اپنے مکتوب میں یہ وضاحت پیش کرتے ہیں کہ گزشتہ فرق وتفاوت سے قطع نظر نبوت ہماری فضیلت وبرتری کی دلیل ہے جس کے اعلیٰ احکام وقوانین کے ذریعہ ہم نے مغرور وظالم عزت داروں کو ذلت ورسوائی اور مظلوم وپسماندہ ذلیلوں کو عزت وعظمت سے مالا مال کردیا۔

جس دن لوگوں نے خلافت کے سلسلے میں حضرت علی علیہ السلام سے بیعت کی اور حکومت کی باگ ڈور ان کے سپرد کردی تو انہوں نے حکومت کے امور کو چلانے کے لئے انقلابی راہ وروش اختیار کی اور اکثر معاملات میں گہری اور بنیادی تبدیلی قائم کردی کیونکہ وہ جانتے تھے کہ رسول مقبولؐ کی وفات کے بعد دو دہائی سے زیادہ مدت کے دوران مملکت میں کافی انحراف پیدا ہوچکے ہیں۔ مملکت کے بعض حساس کام غیر صالح افراد کے سپرد کردئے گئے ہیں اور کچھ اسلامی مسائل کو پوری طرح فراموش کیا جاچکا ہے اور بیت المال کا کچھ حصہ ناجائز طریقہ پر خرچ ہورہا ہے۔ پس ان تمام امور کی اصلاح اسلامی معیاروں کے مطابق کی جانی چاہئے۔

حضرت علی علیہ السلام اس حقیقت کی طرف بخوبی متوجہ تھے کہ انقلابی راہ وروش کی ایجاد کی وجہ سے عظیم تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں' سماج میں غیر معمولی اتار چڑھاؤ پیدا ہوتا ہے۔ اکثر صاحب عزت افراد ذلیل وخوار ہوجاتے ہیں اور اکثر ذلیل ورسوا افراد کو عزت وعظمت حاصل ہوجاتی ہے۔ بعض لوگوں کو سرکاری ملازمت سے علحدہ ہونا پڑتا ہے اور بعض بیکار وبے روزگار لوگوں کو اونچے اور اہم عہدے سے سرفراز کردیا جاتا ہے۔ چنانچہ لوگوں کی بیعت کے بعد جب حضرت علی علیہ السلام مدینہ میں پہلا خطبہ ارشاد فرماتے ہیں تو بڑی وضاحت کے ساتھ وہ لوگوں کو مستقبل قریب میں رونما ہونے والی تبدیلیوں سے باخبر کرتے ہیں۔ انہوں نے لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: "........ الا وان بليتكم قد عادت كهيئتها يوم بعث الله نبيكم (صلى الله عليه واله) والذي بعثه بالحق لتبلبلن بلبلة ولتغربلن غربلة ولتساطن سوط القدر حتى يعود اسفلكم اعلاكم واعلاكم اسفلكم" (نہج البلاغہ خطبہ ۱۶) یعنی تمہیں جاننا چاہئے کہ تمہارے لئے وہی ابتلا کا دور پھر پلٹ آیا ہے جو رسولؐ کی بعثت کے وقت تھا۔ اس ذات کی قسم جس نے رسولؐ کو حق وصداقت کے ساتھ بھیجا تم بری طرح تہ وبالا کئے جاؤ گے اور اس طرح چھانٹے جاؤ گے جس طرح چھلنی سے کسی چیز کو چھانا جاتا ہے اور اس طرح خلط ملط کئے جاؤ گے جس طرح (چمچے سے ہنڈیا) یہاں تک کہ تمہارے ادنیٰ اعلیٰ اور اعلیٰ ادنیٰ ہوجائیں گے۔ جو پیچھے تھے آگے بڑھ جائیں گے اور جو ہمیشہ آگے رہتے تھے وہ پیچھے چلے جائیں گے۔ (نہج البلاغہ خطبہ ۱۶)

حضرت علی علیہ السلام نے اپنی انقلابی راہ وروش کی شروعات بہت جلد کردی اور بڑی تیز رفتاری سے بنیادی اصلاحات کا سلسلہ بھی شروع کردیا۔ اس انقلابی روش کا یہ نتیجہ برآمد ہوا کہ جو لوگ ان کی اس روش کو اپنے لئے خطرناک محسوس کررہے تھے' انہوں نے حضرت علیؑ کی مخالفت کا فیصلہ کرلیا۔ ان لوگوں نے سازشانہ ہتھکنڈوں کو بروئے کار لاتے ہوئے خانہ جنگی چھیڑ دی اور حضرت علیؑ کی راہ میں طرح طرح کی رکاوٹیں پیدا کرنے لگے۔ دوسری طرف حضرت علیؑ کے دوستوں پر خاموشی چھائی رہی اور وہ معاشرہ میں رونما ہونے والے حوادث کی طرف سے لاپرواہ رہے۔ ان لوگوں کی لاپرواہی اتنی بڑھ گئی کہ وہ اپنے قائد ورہبر کے حکم کی طرف توجہ

نہیں کرتے تھے چنانچہ عملی اعتبار سے حضرت علیؑ پر تنہائی چھاگئی اور وہ حکومت کے بے شمار معاملات میں مختلف النوع پریشانیوں سے دوچار ہوگئے۔ اور ایک کار انہیں پھانسی کی سزا بھی دی گئی۔

جہاد: دوسرا سبب جس کا ترک کرنا انسان کی ذاتی اور سماجی عزت وذلت میں بنیادی اثر کا حامل ہے وہ

ودرع الله الحصنه' وجنته الوثيقه' فمن تركه رغبه عنه البسه الله ثوب الذل شملة البلاء' ودبث با لصغار والقماء.' (نہج البلاغه ۲۷)

> جو لوگ حق وعدالت کی راہ میں جہاد سے منہ موڑ لیتے ہیں اور جہاد مقدس کے فریضہ کو انجام دینے سے کتراتے ہیں وہ درحقیقت عزت وعظمت حاصل کرنے کی لیاقت نہیں رکھتے بلکہ اُنہیں ذلت ورسوائی کی زندگی ہی بسر کرنی چاہیے۔

وقت وہ بھی آیا کہ وہ اپنے اساسی منصوبے کی تکمیل کی راہ میں شہادت سے ہمکنار ہوگئے۔ وہ لوگ اپنے ارادے، ہدف و مقصد سے محروم ہوگئے۔

مختصر لفظوں میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ انقلاب اور اس کی تحریک دونوں کو بنیادی سبب اور عزت و ذلت کی تحریک کا موثر ترین وسیلہ ہے جیسا کہ ہم لوگوں نے اپنے عہد میں بہت قریب سے اس بات کا مشاہدہ کیا ہے کہ عظیم الشان انقلاب اسلامی ایران نے شکست کے حالات کو پوری طرح تبدیل کردیا۔ طاغوتی دور حکومت کے عزت داروں کو ذلیل و رسوا کردیا اور نخوت و غرور میں ڈوبے ہوئے استکباری عناصر کی ناک زمین پر رگڑ دی اور اسلامی انقلاب کے سایہ میں عزت و اقتدار کی باگ ڈور کمزور و پسماندہ لوگوں کے ہاتھ میں آگئی۔ شاہی حکومت کے مجرمین کو گرفتار کرلیا گیا اور انقلابی عدالت گاہوں میں ان کے ہر ایک ظلم کا حساب لیا گیا اور آخر جہاد ہے۔ جو لوگ حق کی سربلندی اور عدل وانصاف قائم کرنے کی راہ میں خود سے گزر جاتے ہیں اور ہر ممکن قربانی پیش کرتے ہوئے اپنی جان نچھاور کرنے پر آمادہ ہوجاتے ہیں وہی عزت وعظمت کے مستحق ہوتے ہیں اور مستحکم قیادت بھی انہیں کے بس کی بات ہے۔

اس کے برعکس جو لوگ حق وعدالت کی راہ میں جہاد سے منہ موڑ لیتے ہیں اور جہاد مقدس کے فریضہ کو انجام دینے سے کتراتے ہیں وہ درحقیقت عزت وعظمت حاصل کرنے کی لیاقت نہیں رکھتے بلکہ اُنہیں ذلت ورسوائی کی زندگی ہی بسر کرنی چاہیے۔

حضرت علی علیہ السلام اپنے ایک خطبہ میں اس طرح ارشاد فرماتے ہیں:

'اما بعد فان الجهاد باب من ابواب الجنه فتحه الله لخاصه اولیائه وہو لباس التقوی

یعنی جہاد جنت کے دروازوں میں سے ایک ایسا دروازہ ہے جس کو خداوند عالم نے اپنے اولیاء کے لئے کھول دیا ہے۔ جہاد 'تقویٰ کا لباس' مضبوط زرہ اور قابل اطمینان محافظ ونگہبان ہے۔ جو شخص لاپرواہی کی وجہ سے جہاد سے روگردانی اختیار کرتا ہے' وہ درحقیقت سپاہی کے مقدس فریضہ کو بخوبی انجام نہیں دیتا اور خداوند عالم اس کو ذلت کا لباس پہنادیتا ہے۔ مصیبتیں اور بلائیں اسے چاروں طرف سے گھیر لیتی ہیں۔ پس اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ غیر معمولی ذلت ورسوائی سے دوچار ہوگا۔ (نہج البلاغہ۔ خطبہ ۲۷)

حضرت علی علیہ السلام کو اپنے دور خلافت میں جو چیز سب سے زیادہ تکلیف پہونچاتی تھی وہ دشمن کے خلاف جنگ ونبرد آزمائی کے سلسلے میں ان کے ساتھیوں کی لاپرواہی تھی کہ اس مقدس فریضہ کی طرف سے کوتاہی ولاپرواہی کی وجہ سے ان کے دشمن

معاویہ کی تقویت ہوتی تھی اور اس کے سپاہیوں کے حوصلے بڑھ رہے تھے اور دوسری طرف علوی محاذ کمزور ہو رہا تھا اور ان کے سپاہیوں کی عزت و عظمت کو دھچکا لگ رہا تھا اور ان کی ذلت و رسوائی کا سامان فراہم ہو گیا تھا۔ حضرت علی علیہ السلام اپنے ساتھیوں کی بزدلی' کم حوصلگی اور لاپرواہی سے بہت پریشان اور رنجیدہ خاطر تھے چنانچہ متعدد بار انہوں نے شدید اپنی خطبوں میں اپنے اندرونی تاثرات کا اظہار بھی کیا۔ اپنے ایک خطبہ میں انہوں نے ارشاد فرمایا:

"اف لکم لقد سئمت عتابکم' ارضیتم بالحیاۃ الدنیا من الاخرۃ عوضا' وبالذل من العز خلفا' اذا دعوتکم الی جہاد عدوکم دارت اعینکم کانکم من الموت فی غمرۃ' ومن الذہول فی سکرۃ" نہج البلاغہ ۳۴۔ یعنی تمہیں شرم کرنی چاہئے کیونکہ میں تم لوگوں کی لاپرواہی و بے توجہی اور توبیخ و عتاب کی وجہ سے بہت ملول اور رنجیدہ خاطر ہوں۔ کیا تم لوگ دنیا کی چند روزہ زندگی سے آخرت کی ابدی زندگی کو تبدیل کرنے کے لئے راضی ہو گئے ہو؟ کیا تم لوگ اس بات پر راضی و آمادہ ہو کہ ذلت و رسوائی و عزت و عظمت کا جانشین بنا دیا جائے۔ جب میں تم لوگوں کو دشمن کے خلاف جہاد کی طرف دعوت دیتا ہوں تو اضطراب اور حیرانی کی وجہ سے تمہاری آنکھیں اس طرح پھرنے لگتی ہیں جیسے موت کے چنگل نے تمہیں دبوچ لیا ہو۔ یقیناً تم لوگوں کی مثال ان مست و غافل لوگوں جیسی ہے جن کو اپنی مصلحت کی شناخت نہیں ہے اور جو خود سے ناواقف و بے خبر ہیں۔ (نہج البلاغہ خطبہ ۳۴)

دوسرے خطبہ میں ارشاد فرماتے ہیں:

"الا وانی قد دعوتکم الی قتال ہولاء القوم لیلاً و نہاراً وسراً وعلاناً' وقلت لکم: اغزوہم قبل ان یغزوکم' فواللہ ماغزی قوم قط فی عقر دارہم الا ذلوا' فتواکلتم وتخاذلتم حتی شنت علیکم الغارات' وملکت علیکم الاوطان" نہج البلاغہ ۲۷

یعنی میں نے تم لوگوں کو معاویہ اور اس کے سپاہیوں کے خلاف جنگ و نبرد آزمائی کے لئے روز و شب اور پوشیدہ و اعلانیہ انداز میں دعوت دی۔ میں نے تم لوگوں سے یہ بھی کہا کہ دفاعی جنگ نہ کرو بلکہ آگے بڑھکر فوج دشمن پر حملہ کرو اور اس سے قبل کہ وہ تمہارے اوپر حملہ کریں تم ان لوگوں پر دھاوا بول دو کیونکہ اپنے گھر کے اندر دشمن کی فوج کے خلاف جنگ کرنے والوں کو بہر حال ذلت و رسوائی کا بوجھ اٹھانا پڑتا ہے۔ بہر حال تم لوگوں نے میری تاکیدی دعوت و سفارش پر کوئی توجہ نہیں دی اور تم میں سے ہر ایک شخص اپنے دوسرے ساتھی کی آڑ میں دشمن کے خلاف جنگ و نبرد آزمائی سے کتراتا رہا۔ تم لوگوں نے آپسی تعاون و امداد سے بھی کام نہیں لیا اور جہاد کی طرف سے تم لوگوں کی لاپرواہی و کاہل انگاری کا یہ نتیجہ بر آمد ہوا کہ تمہارا سب کچھ تباہ و برباد ہو گیا اور تمہارا علاقہ دشمن کے قبضہ میں چلا گیا۔ (نہج البلاغہ خطبہ ۲۷)

اسی خطبہ میں دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں:

"فاذا امرتکم بالسیر الیہم فی ایام الحر قلتم ہذہ حمارہ القیظ امہلنا یسبخ عنا الحر' واذا امرتکم بالسیر الیہم فی الشتاء قلتم ہذہ صبارہ القرا مہلنا ینسلخ عنا البرد' کل ہذا فراراً من الحرو القر' فاذا کنتم من الحر والقر تفرون فانتم واللہ من السیف افر" نہج البلاغہ خطبہ ۲۷۔ یعنی جب میں گرمی کے موسم میں تم لوگوں کو کوچ کا حکم دیتا ہوں اور یہ کہتا ہوں کہ دشمن کی طرف چل پڑو تو تم لوگ یہ جواب دیتے ہو کہ ابھی سخت گرمی پڑ رہی ہے لہذا ہم لوگوں کو اتنی مہلت دیجئے کہ گرمی کچھ کم ہو جائے اور جب سردی کے زمانے میں تم لوگوں کو آگے بڑھنے کا حکم دیتا ہوں تو تم یہ کہتے ہو کہ ابھی سردی زیادہ ہے لہذا سردی کم یا ختم ہو جائے تو کوچ کرنا بہتر ہو گا۔ تمہاری ان تمام باتوں کا مقصد سردی و گرمی سے فرار اختیار کرنا ہے اور جب تم موسم کی گرمی و سردی سے اس قدر گریزاں ہو تو خدا کی قسم دشمن کی تلوار کے سامنے سے تو تم اور زیادہ تیز رفتاری سے فرار اختیار کرو گے۔ (نہج البلاغہ خطبہ ۲۷)

ایک دوسرے خطبے میں ارشاد فرماتے ہیں:

"کلما اطل علیکم منسر من مناسر اہل الشام اغلق کل رجل منکم بابہ' وانحجر انحجار الضبۃ فی حجرہا' والضبع فی وجارہا الذلیل واللہ من نصرتموہ ومن رمی بکم فقد رمی بافوق ناصل" نہج البلاغہ خطبہ ۶۸۔ جب بھی شامیوں کے ہراول دستوں میں سے کوئی دستہ تم پر منڈلاتا ہے تو تم سب کے سب (اپنے گھروں) کے دروازے بند کر لیتے ہو اور اس طرح اندر چھپ جاتے ہو جس طرح گوہ اپنے سوراخ میں اور بجو اپنے بھٹ میں۔ جس کے تمہارے ایسے مددگار ہوں' اسے تو ذلیل ہی ہونا ہے اور جس پر تم تیر کی طرح پھینکے جاؤ تو گویا اس پر ایسا تیر پھینکا گیا جس کی نوک بھی شکستہ اور پیکان بھی ٹوٹا ہوا ہے۔ (ظاہر سی بات ہے کہ ایسا تیر دشمن کو کسی طرح کا نقصان نہیں پہنچا سکتا۔) (نہج البلاغہ خطبہ ۶۸)

حضرت علی علیہ السلام اپنی زندگی کے آخری ایام میں جہاد کے سلسلے میں لوگوں کی کاہلی و لاپرواہی کی وجہ سے بہت رنجیدہ و غمگین تھے اور اپنی تقریروں میں برابر اس رنج و افسوس کا اظہار بھی کیا کرتے تھے چنانچہ اپنی ایک تقریر میں انہوں نے لوگوں کو بڑے سخت لہجے میں خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

"قاتلکم اللہ لقد ملأتم قلبی قیحا وشحنتم صدری غیظا وجرعتمونی نغب التہمام انفاسا وافسدتم علی رایی بالعصیان والخذلان حتی قالت قریش ان ابن ابیطالب رجل شجاع ولکن لا علم لہ بالحرب" (نہج البلاغہ خطبہ ۲۷) اللہ تمہیں مارے، تم نے میرے دل کو پیپ سے بھر دیا ہے اور میرے سینے کو غیظ و غضب سے چھلکا دیا ہے۔ تم نے مجھے غم و حزن کے جرعے پے در پے پلائے، نافرمانی کر کے میری تدبیر و رائے کو تباہ کر دیا، یہاں تک کہ قریش کہنے لگے کہ ابوطالب کا بیٹا (علی) ہے تو مرد شجاع لیکن جنگ کے طور طریقوں سے واقف نہیں۔ (نہج البلاغہ خطبہ ۲۷)

اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ ان میں سے کوئی بھی فن سپہ گری میں مجھ سے زیادہ مہارت رکھتا ہے اور کیا ان میں کسی نے مجھ سے پہلے کم عمری میں میدان جنگ میں قدم رکھا ہے؟ میں بیس سال کا بھی نہیں ہوا تھا کہ دشمنوں کے خلاف باقاعدہ جنگ کرنے لگا تھا اور اس وقت میری عمر ساٹھ سال سے زیادہ ہو چکی ہے۔ میرے حکم کی اطاعت ہی نہیں کی جاتی اور سپاہی میری نافرمانی کرتے ہیں پس ایسا سپہ سالار کیا تدبیر اختیار کر سکتا ہے (ولکن لارای لمن لایطاع) کبھی کبھی وہ منبر سے حقیقی مومنین و مجاہدین کا ذکر کیا کرتے تھے اور بڑی شان سے ان لوگوں کا تذکرہ کیا کرتے تھے جو راہ خدا میں آنے والی موت کو خوشی خوشی اپنے گلے لگایا کرتے تھے اور موت سے ہم آغوش ہونے کے لئے ایک دوسرے پر سبقت حاصل کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ وہ باوفا ساتھیوں کا نام لے کر دیر تک افسوس ظاہر کیا کرتے تھے۔ جیساکہ ذیل میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے:

"این اخوانی الذین رکبوا الطریق ومضوا علی الحق این عمار؟ این ابن التیہان؟ واین ذو الشہادتین واین نظراؤہم من اخوانہم الذین تعاقدوا علی المنیة وابرد بروسہم الی الفجرة" نہج البلاغہ خطبہ ۱۸۱۔ یعنی میرے وہ بھائی کہاں ہیں جو فوراً چل پڑتے تھے؟ عمار یاسر کہاں ہیں؟ خزیمہ بن ثابت انصاری کہاں ہیں؟ آخر یہ لوگ اور ان جیسے دوسرے لوگ کہاں چلے گئے آخر وہ لوگ کہاں ہیں جو خدا کی راہ میں جان دینے کا معاہدہ کئے ہوئے تھے اور قتل کے بعد ان کے مقدس سروں کو دشمن کا قاصد گنہگار ظالموں تک پہونچا دیتا تھا۔ (نہج البلاغہ خطبہ ۱۸۱)

> مولائے متقیان حضرت علی علیہ السلام کے ارشاد کے مطابق جہاد بہشت کے دروازوں میں سے وہ دروازہ ہے جس کو خداوند عالم نے اولیاء کے لئے کھولا ہے۔ جو شخص اس مقدس فریضہ پر عمل نہیں کرتا اور لاپرواہی و بے توجہی کے ساتھ اس کی طرف سے منہ پھیر لیتا ہے وہ یقیناً ذلت و رسوائی اور پستی و خواری سے ہمکنار ہوتا ہے۔

اس خطبے کے راوی نوف بکالی کا بیان ہے کہ اس خطبے کے دوران حضرت علی علیہ السلام پر رنج و غم کی عجیب کیفیت طاری ہو گئی اور وہ کافی دیر تک گریہ وزاری کرتے رہے اور اس کے بعد پھر فرمایا "ثم قال: اوہ علی اخوانی الذین تلوا القرآن فاحکموہ وتدبروا الفرض فاقاموہ احیوا السنہ واماتوا البدعہ دعوا للجہاد فاجابوا ووثقوا بالقائد فاتبعوہ "نہج البلاغہ خطبہ ۱۸۲۔ یعنی میرے ان بھائیوں پر افسوس جن لوگوں نے اطمینان قلب کے ساتھ قبول کر لیا اور اسے محکم الٰہی فرمان قرار دیا الٰہی فریضہ کی ادائگی میں جوش و خروش اور تدبر سے کام لیا اور اسے انجام دینے کی ہمت کی۔ سنت خداوندی کو زندہ کیا، بدعت کا کام تمام کیا۔ انہیں جہاد کی دعوت دی گئی تو اسے قبول کرتے ہوئے فوراً میدان جنگ کی طرف روانہ ہو گئے اور دشمن کے خلاف جنگ کی۔ اپنے قائد پر مکمل اعتماد رکھتے ہوئے اس کی اطاعت و فرمانبرداری میں لگے رہتے تھے اور نہایت خلوص کے ساتھ اپنے پیشوا کی ہر ہدایت کی پیروی کرتے تھے۔ (نہج البلاغہ خطبہ ۱۸۲)

اپنی زندگی کے آخری زمانے میں حضرت علی علیہ السلام ایسے دردناک و طاقت فرسا مصائب و آلام میں گرفتار تھے کہ اکثر اوقات موت کی تمنا کرنے لگتے تھے اور اسی وجہ سے انہوں نے مسجد کوفہ میں عبدالرحمن ابن ملجم کی ضربت کو ایک عظیم کامیابی کے نام سے یاد کیا۔ ان کے سر سے خون جاری تھا اور ان کی زبان پر یہ کلمات تھے کہ رب کعبہ کی قسم میں کامیاب ہو گیا اور مجھے مصائب و آلام اور درد و غم کی زندگی سے نجات حاصل ہو گئی۔

درحقیقت جس چیز نے حضرت علی اور دیگر صاحبان ایمان کی زندگی کو تلخ و ناگوار و ناپسندیدہ بنا دیا

تھا وہ فریضۂ سپہ گری اور جہاد سے لوگوں کی بے توجہی ولاپرواہی تھی۔ اگر اس زمانے کے لوگوں نے عمار یاسر، ابو الہیثم اور خزیمہ جیسے نامور جانبازان اسلام کی طرح خدا کی راہ میں جہاد کا استقبال کیا ہوتا اور غیر معمولی رضا اور رغبت کے ساتھ اپنے امام کے حکم کی اطاعت کی ہوتی تو حضرت علی علیہ السلام ہرگز اس قدر رنجیدہ و غمگین نہ ہوتے اور لوگوں کو بھی اس حد تک ذلت ورسوائی کا سامنا کرنا پڑتا، دشمن ان لوگوں پر غلبہ نہ حاصل کر پاتا اور عدل وایمان کی ایسی پامالی نہ ہوتی لیکن افسوس کہ لوگوں نے حضرت علی کی نافرمانی کی، حق وحقیقت کی راہ کو ترک کر دیا اور خدا کی راہ میں جہاد کرنے سے کنارہ کش ہوئے اور راہ فرار اختیار کرتے ہوئے معاویہ اور اس کے لشکر کی کامیابی کی زمین ہموار کر دی اور اپنے ہی ہاتھوں اپنی ذلت اور رسوائی کا سامان فراہم کر دیا۔

حضرت علی علیہ السلام کی حکومت کی تاریخ اس زمانے سے ایرانی عوام کے لئے انتہائی مفید و سبق آموز ہے لہذا انہیں اس کا بغور مطالعہ کرنا چاہئے۔ اس زمانے میں رونما ہونے والے واقعات وحوادث کا تجزیہ کرنا چاہئے اور ان واقعات سے عبرت حاصل کرتے ہوئے اسلامی انقلاب کو اور زیادہ مفید و کارآمد بنانے کے لئے اپنے فرائض کی طرف ہمہ تن متوجہ رہنا چاہئے اور ان فرائض کو پورا کرنے کے لئے عملی قدم اٹھانے میں ذرہ برابر ہچکچاہٹ نہ محسوس کرنی چاہئے۔

درحقیقت ایران میں طاغوتی نظام حکومت کی نابودی اور اسلامی جمہوریہ کے قیام کے لئے اسلامی انقلاب رونما ہوا اور معاشرہ کے تمام لوگوں نے امام خمینیؒ کی باشعور قیادت میں اس انقلاب میں شرکت فرمائی۔ عوام کے درمیان اتحاد واتفاق کے سایہ میں اور صاحبان ایمان کی مثالی قربانیوں کی وجہ سے اسلامی انقلاب کامیاب ہو گیا اگرچہ اس کامیابی کی راہ میں ۶۰ ہزار لوگ شہید اور ایک لاکھ سے بھی زیادہ افراد زخمی ومعذور ہو گئے۔

مختصر لفظوں میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ عزت وعظمت حاصل کرنے اور فرد و معاشرہ کو افتخار وسربلندی سے مالامال کرنے کا دوسرا اہم سبب ووسیلہ خدا کی راہ میں جہاد کرنا اور اس کی رضا وخوشنودی کے لئے اپنا سب کچھ قربان کر دینا ہے۔

مولائے متقیان حضرت علی علیہ السلام کے ارشاد کے مطابق جہاد بہشت کے دروازوں میں سے وہ دروازہ ہے جس کو خداوند عالم نے اولیاء کے لئے کھولا ہے۔ جو شخص اس مقدس فریضہ پر عمل نہیں کرتا اور لاپرواہی وبے توجہی کے ساتھ اس کی طرف سے منہ پھیر لیتا ہے وہ یقیناً ذلت ورسوائی اور پستی وخواری سے ہمکنار ہوتا ہے۔

حکومت اور عوام کا رابطہ: عزت وذلت اور مخصوص حالات فرد یا معاشرہ کی عزت وعظمت اور ذلت وحقارت کا تیسرا اہم سبب حکومت اور عوام کے درمیان موجود رابطہ ہے جس کی طرف حضرت علی علیہ السلام نے اپنے ایک خطبے میں بھرپور اشارہ کیا ہے۔ اس خطبے میں امیر المومنینؑ سماج پر حکومت کے حقوق اور حکومت پر سماج والوں کے حقوق کی نشاندہی کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

"واعظم ما افترض سبحانہ من تلک الحقوق حق الوالی علی الرعیہ وحق الرعیہ علی الوالی' فریضہ فرضہا اللہ سبحانہ لکل علی کل' فجعلہا نظاماً لالفتہم' وعزاً لدینہم' فلیست تصلح الرعیہ الا بصلاح الولاۃ' ولا تصلح الولاۃ الا باستقامہ الرعیہ' فاذا ادت الرعیہ الی الوالی حقہ' وادی الوالی الیہا حقہا' عز الحق بینہم' وقامت مناہج الدین' واعتدلت معالم العدل' وجرت علی اذلالہا السنن فصلح بذلک الزمان' وطمع فی بقاء الدولہ' ویئست مطامع الاعداء' واذا غلبت الرعیہ والیہا' او اجحف الوالی برعیتہ' اختلفت ہنالک الکلمہ' وظہرت معالم الجور' وکثر الادغال فی الدین' وترکت محاج السنن' فعمل بالہوی' وعطلت الاحکام' وکثرت علل النفوس' فلا یستوحش لعظیم حق عطل' ولا لعظیم باطل فعل' فہنا لک تذل الابرار' وتعز الاشرار" نہج البلاغہ ۲۰۷۔ یعنی ان حقوق میں سب سے بڑا الٰہی فریضہ عوام پر حاکم کا حق اور حاکم پر عوام کا حق ہے اور یہ ایک ایسا فریضہ ہے جس کو خداوند عالم نے اجتماعی مفاد کو نگاہ میں رکھتے ہوئے تمام لوگوں پر واجب قرار دیا ہے اور اسے سماجی میل جول کے لئے نظم وترتیب کا معیار اور ان کے دین کے لئے عزت وعظمت کا سرمایہ قرار دیا ہے۔

ایسی حکومت میں عوام کے حالات تسلی بخش نہیں ہو سکتے جہاں حکام اپنے عوام کے ساتھ اچھا سلوک نہ کرتے ہوں اور اسی طرح حکام اور عوام کے درمیان وحدت واتحاد کی گنجائش ہی نہیں ہے تاوقتیکہ عوام اپنے حکام کے حکم کی پیروی کرتے ہوئے حق کی استقامت وپائداری کرتے رہیں۔

جب عوام حاکم ووالی کا حق ادا کر رہے ہوں اور حاکم اپنے عوام کا حق ادا کرتا رہے تو سماج میں یقیناً حق کا بول بالا ہوگا۔ ایسے حالات میں دینی اصول وقوانین کی ترویج ہوتی ہے، عدل کی علامتوں میں توازن ظاہر ہوتا ہے اور الٰہی روایات حق کی راہ پر گامزن ہو جاتی ہیں۔ ایسے حالات میں لوگوں کی زندگی خوشحال ہو جاتی ہے اور حکومت کی بقاء کی زمین ہموار ہو جاتی ہے اور حکومت کو لالچی نگاہوں سے دیکھنے والے دشمنوں کی امید پر پانی پھر جاتا ہے لیکن اس کے

(باقی صفحہ ۹ پر)